قسط نمبر 2

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور 29

اسلام اور اکیسویں صدی : قاہرہ کانفرنس کی مفصل روداد

جدید چیلنجوں کے مقابلے کیلئے مسلمانانِ عالم متحد ہو جائیں۔

بابا شنودہ کی تقریر : بابا شنودہ ثالث نے فصیح عربی میں تقریر کی۔ مصر میں عیسائیوں کی مادری زبان بھی عربی ہے اور وہ بڑی روانی کے ساتھ عربی بولتے ہیں۔ پوپ موصوف نے اپنی تقریر کی ابتداء " بسم اللہ " سے کی اور اللہ تعالیٰ کو واحد اور احد قرار دیا۔ (بسم اللہ الواحد الأحد الذی ۔۔۔۔) موصوف نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ آج انٹرنیٹ کا دور ہے اور اس سے بہت سے کام لئے جاسکتے ہیں جن میں سے ایک تہذیبوں کا تبادلہ بھی ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس جدید ترین ذریعہ مواصلات، سے ہم اپنی تہذیب سے دوسروں کو آگاہ کرائیں اور انگریزی، فرنچ جرمن، اطالوی اور اسپینی جیسی اہم زبانوں میں اس طرح کے پروگرام پیش کریں۔ موصوف نے مشرقی اقدار اور متحدہ قومیت کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو صرف عربی زبان ہی میں محصور ہو کر نہ رہ جانا چاہئے بلکہ ہمارے پاس جو تہذیبی اقدار ہیں ان کو دوسروں تک بھی پہنچانا چاہئے۔ اگر دوسروں کے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی ہے تو ہمارے پاس اقدار و اخلاق کا سرمایہ موجود ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج مغرب میں حُریت اور آزادی کا غلط مفہوم لیا جارہا ہے، لہٰذا ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کن نظریات کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔

صحافیوں اور فوٹو گرافروں کا ہجوم : افتتاحی اجلاس کے بعد چائے کا وقفہ تھا، جس میں مختلف اخبارات کے نمائندوں اور صحافیوں نے معزز مہمانوں اور مندوبین کو گھیر لیا اور ان کا انٹرویو لینے لگ گئے۔ وہ مختلف ممالک کے احوال و کوائف جاننے کے لئے بے چین نظر آرہے تھے۔ گویا کہ وہ ہر ملک کے 'اندرون' میں جھانکنے کی کوشش کررہے تھے۔ مصر چونکہ پوری دنیائے عرب میں سیاسی و صحافتی حیثیت سے بہت ممتاز حیثیت کا مالک ہے اس لئے یہاں پر ہمیں صحافیوں کی ایک فوج

نظر آئی، جنہیں زیادہ تر نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں تھیں اور وہ مندوبین سے کرید کرید کر سوالات کی بوچھاڑ کر رہی تھیں، تاکہ ان انٹرویوز کو اپنے اپنے اخبارات کی زینت بنا سکیں۔ مصر سے بے شمار روزنامے، ہفت روزہ اخبارات اور ماہنامے نکلتے ہیں اور دوسری طرف فوٹوگرافروں اور ٹی وی کیمروں کا بھی ایک سیلاب سا نظر آرہا تھا جو مختلف زاویوں سے مہمانوں کی تصویریں کھینچ رہے تھے۔

کانفرنس کے مسائل و موضوعات : جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اس کانفرنس میں گفتگو کیلئے چار محوریا عنوان مقرر کئے گئے تھے اور پھر ہر عنوان کے تحت چار مزید ذیلی عنوانات تھے۔ اس طرح کل ۱۶ عنوانات میں سے ہر مندوب کو کسی ایک عنوان پر بحث کرنی تھی۔ ان میں بعض اہم عنوانات یہ ہیں: (۱) اسلامی تہذیب ایک ترقی یافتہ تہذیب (۲) عقل اور ایمان میں ہم آہنگی (۳) دین اور دنیا میں ہم آہنگی (۴) اسلام اور دیگر ادیان کیلئے بقائے باہم کے اصول (۵) فکر اسلامی میں اجتہاد کا رول (۶) اسلام اور دہشت پسندی (۷) شورائی نظام اور جمہوریت (۸) اسلام میں جنگ اور امن کا مفہوم (۹) انسان کے اقتصادی واجتماعی حقوق (۱۰) عالم اسلام کے درمیان اقتصادیات کا فروغ (۱۱) اسلام اور سائنس کی ترقی (۱۲) عالم اسلام میں سائنسی امکانات (۱۳) عالم اسلام کے تحقیقی اداروں کے درمیان اشتراک و تعاون۔

پہلے دن کے مقالات : افتتاحی ہنگامی اجلاس کے بعد مذکورہ بالا مسائل و موضوعات پر مقالوں اور تقریروں کا دور شروع ہوا۔ اس سلسلے کی دوسری مجلس جو ساڑھے گیارہ بجے شروع ہونی تھی وہ سوا بارہ بجے شروع ہوئی۔ اس میں متعدد مندوبین نے اپنے مقالات پیش کئے اور بعض نے تقریریں کیں۔ اس سیشن میں سب سے زیادہ مفصل بحث قاہرہ یونیورسٹی کے سابق چانسلر ڈاکٹر صوفی ابو طالب کی تھی، جنہوں نے تقریباً ایک گھنٹہ 'شوریٰ اور ڈیموکریسی' کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ آنے والی صدی ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم دنیا کے سامنے اسلام اور اسلامی مسائل کو پوری قوت کے ساتھ پیش کریں۔ اسلامی منہج غیر قوموں کے افکار اور ان کے طرز فکر سے یکسر مختلف ہے مگر وہ دیگر نظاموں کے برعکس مسائل کا افضل ترین حل پیش کرتا ہے لہذا اہل اسلام کو چاہئیے کہ وہ جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے تہذیبی نمونے کو دنیا کے سامنے

پیش کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ مؤصوف نے اس سلسلے میں ایک اصول یہ بیان کیا کہ دین اور دنیا میں تطبیق انسانی سعادت کیلئے نہایت ضروری ہے جو اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔ چنانچہ اس تطبیق فکر میں تعدد تو ہو سکتا ہے مگر وہ کتاب وسنت کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے نائب صدر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے نظام شوریٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب میں یہ نظام ایک عرصے سے قائم ہے اور اس کے بہت اچھے نتائج بر آمد ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بتایا کہ وہاں کی مجلس شوریٰ نے اب تک ستر تجویزیں ایسی پیش کی ہیں جن کو حکومت نے تسلیم کر لیا ہے۔ موصوف نے زور دیا کہ اہل اسلام اپنے تمام نئے مسائل اسلامی شریعت کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ حل کریں۔

شام کے وزیر اوقاف محمد عبدالرؤف نے کہا کہ اسلامی تمدن انسانی تمدن ہے جو بہت ترقی یافتہ ہے اور اس نے تمام انسانی کارناموں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ ہمارا تہذیبی سرمایہ ہے جس کو ہمارے اسلاف نے تمام انسانی معاشروں کے خلاصے کے طور پر اکھٹا کیا ہے۔ ترکی کے مفتی اور صدر دینی امور جناب محمد نوری یلماظ نے کہا کہ مغربی ممالک غلطی سے کمیونزم کے زوال کے بعد اسلام کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں اور یہ صورتحال اس وقت تک قائم رہے گی جبتک کہ اس سلسلے میں باہمی افہام وتفہیم عمل میں نہ آجائے اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کے طور طریقے اپنا لیے نہ جائیں۔ انہوں نے آواز دی کہ مغرب عالم اسلام کے خلاف اپنی استعماری سرگرمیوں سے باز آئے۔ مراکش کی اسلامی تنظیم برائے تعلیم، سائنس اور ثقافت (اسیسکو) کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر عبدالعزیز تویجری نے اپنے تحقیقی مقالے میں کہا کہ دیگر ادیان واقوام کے ساتھ تعاون کرنے اور ان کے ساتھ زندگی گزارنے کی جو بات ہم کر رہے ہیں اس کا کسی بھی صورت میں یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے موقف سے ہٹتے ہوئے عقائد واقدار کو خلط ملط کر کے ایک نیا مرکب تیار کر دیں، کیونکہ صحیح عقیدہ رکھنے والے لوگ کسی بھی مخلوط کو قبول نہیں کر سکتے۔

اس کانفرنس کی پوری کاروائی عربی میں ہو رہی تھی۔ مندوبین میں اگرچہ انگریزی بولنے والے بھی ضرور موجود تھے، مگر سب کے سب عربی بول رہے تھے اور مقالات وتقریریں بھی عربی

میں ہو رہی تھیں۔ اس کانفرنس کیلئے ڈاکٹر طاہر محمود کا مقالہ انگریزی میں تھا اور پروگرام میں ان کا نام بھی شامل تھا۔ مگر کانفرنس کا رنگ دیکھ کر انہوں نے اسے پیش نہیں کیا۔ نیز اس لئے بھی کہ انہیں اپنے مقالے کے لئے صرف دس منٹ دیئے گئے تھے۔

جدید مسائل میں اجتہاد کی ضرورت : صبح کے علاوہ شام کے سیشن میں بھی بہت سے مقالات پیش کئے گئے اور اس دوران مراقش، کویت، فلسطین، سوڈان، لبنان، نائیجریا، ملیشیا اور متحدہ عرب امارات کے نمائندوں نے حصہ لیا، مگر ان سب پر تبصرہ کرنا اس مختصر سی روداد میں مشکل ہے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان علمی مقالات کا مکمل ترجمہ الگ سے کر کے شائع کیا جائے، تاکہ علمی دنیا کو اس سے فائدہ ہو اور جدید مسائل و مشکلات کو سمجھنے کی راہ میں امت مسلمہ میں ایک عام بیداری پیدا ہو اور اس سلسلے میں کام کرنے والوں کی رہنمائی ہو، کیونکہ یہ ایک ٹھوس عمل ہے اور اس کی آج ملت کو سخت ضرورت ہے تاکہ ہماری اجتہادی صلاحیتیں بیدار ہوں اور ہم اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جدید مسائل میں اجتہاد کر کے اہل اسلام کی رہنمائی عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق کر سکیں اور اسلام اور مسلمانوں پر دقیانوسیت کا الزام عائد نہ ہو سکے، نیز یہ کہ مسلم معاشرہ کو پس ماندہ رکھ کر ہم ترقی یافتہ قوموں سے آنکھ نہیں ملا سکتے اور نہ فوجی و عسکری میدان میں ہم ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کانفرنس کے متعدد شرکاء نے جدید مسائل میں اجتہاد کرنے اور امت مسلمہ کی موجودہ مشکلات کو حل کرنے پر زور دیا جو موجودہ چیلنجوں سے نپٹنے کا واحد حل ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے جو عقل سے کام لینے اور علمی تحقیق کرنے پر زور دیتا ہے۔ لہذا ہمارے تمام مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں اور علم و عقل کے مطابق ہونی چاہئیں یعنی شریعت اور تہذیب و تمدن میں بجائے تصادم و ٹکراؤ کے تطبیق و مطابقت ہو اور پیش آمدہ مسائل علم و عقل کی روشنی میں ناخن تدبیر سے حل کئے جائیں، جس طرح کہ ہمارے اسلاف نے قرون وسطیٰ میں اجتہاد کر کے اس دور کے تہذیبی مسائل حل کئے تھے اور یہ ضرورت آج بھی باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی، کیونکہ اسلام ایک کامل و مکمل مذہب ہے جو دین و دنیا، مذہب و سیاست اور شریعت و تمدن میں تفریق کا قائل نہیں۔ غرض اجتہاد کا دروازہ

بند نہیں بلکہ کھلا ہوا ہے اور بغیر اجتہاد کے کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اور امت بھنور سے باہر نہیں نکل سکتی۔

دوسرے دن کے جلسے : جمعہ ۳ جولائی ۱۹۹۸ء کانفرنس کا دوسرا دن تھا اور اس میں صبح کا ایک ہی سیشن ہو سکا، کیونکہ درمیان میں جمعہ کی نماز کیلئے وقفہ تھا۔ پہلا جلسہ صبح نو بجے تھا جو دس بجے شروع ہوا اور شام کا جلسہ پانچ بجے سے ساڑھے سات بجے تک چلتا رہا۔ ان دونوں اجلاسوں میں مراکش، لبنان، مصر، اردن، فلسطین، کینڈا، ملیشیا، اسیسکو، سوڈان، سینیغال، بوسنیا اور پاکستان کے نمائندوں کے مقالات پیش ہونے تھے، مگر یہ مقالات کل ہی کی طرح پروگرام کے مطابق نہیں ہورہے تھے یعنی جن لوگوں کے نام پروگرام میں درج تھے ان میں سے بعض لوگ موجود نہیں تھے اور جن کے نام شامل نہیں تھے انہیں موقع دیا جارہا تھا۔ اس اعتبار سے کچھ افراتفری رہی، نیز آج کی نشست میں مندوبین کی حاضری بھی کل کے مقابلے میں بہت کم رہی اور دیگر مشاہدین بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس بنا پر کانفرنس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ مگر اس کے باوجود علمی مقالات ومباحث اپنی جگہ پر کافی اہم تھے جو اس کانفرنس کی کامیابی کے ضامن ہیں بلکہ یہی مقالات اس کانفرنس کی روح اور اس کی جان ہیں جن میں عصری مسائل ومباحث کو اسلامی نقطہ نظر سے ابھار کر پیش کیا گیا ہے اور اہل علم وفکر کو دعوت بصیرت دی گئی ہے کہ وہ ان مقالات ومباحث کی روشنی میں مزید غور وخوض کر کے جدید مسائل وموضوعات پر اجتہادی نقطہ نظر سے غور کریں۔ چنانچہ کانفرنس کے یہ مقالات سات حصوں میں پلاسٹک کی خوبصورت جلدوں سے مزین کر کے منتخب نمائندوں کو دیے گئے اور خوش قسمتی سے ان مقالات کا ایک سیٹ راقم سطور کو بھی مل گیا۔

ضرورت ہے کہ اردو اور انگریزی زبانوں میں ان مقالات کا ترجمہ کیا جائے کیونکہ عالم اسلام کو جن مسائل اور چیلنجوں کا سامنا ہے وہ مفکرین امت کے سامنے لائے جائیں اور عوام الناس کو بھی ان سے واقف کریا جائے۔

جمعہ کی نماز : صبح کے جلسے کے بعد اعلان ہوا کہ جمعہ کی نماز ایک قریب ہی کی مسجد میں ادا کی جائے گی۔ اس اعلان سے بہت خوشی ہوئی کہ کل سے کانفرنس کے ماحول میں مسلسل مشغول

رہنے کے بعد اب تھوڑی سی راحت ملے گی اور باہر کا ماحول بھی دیکھنے کو ملے گا۔ نیز یہ کہ شہر قاہرہ میں پہلی بار کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ تمام مندوبین مسرور وشاداں ماریٹ ہوٹل سے باہر نکلے جس کے سامنے دریائے نیل خاموشی اور سکون کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ ہوٹل اور دریا کے درمیان ایک کشادہ سڑک تھی جس کے ایک جانب مختلف قسم کے درختوں کی ایک قطار بھی موجود تھی جو کافی خوشنما لگ رہے تھے۔ ہوٹل کے سامنے " مصر للسیاحۃ "یعنی مصر ٹورزم کی لمبی لمبی اور ایر کنڈیشن بسیں معزز مہمانوں کو لے جانے کیلئے تیار کھڑی تھیں اور پورے راستے میں سیکورٹی گارڈز اور نیم فوجی دستے آٹو میٹک رائفلوں سے مسلح ہوکر کھڑے نظر آئے۔ تقریباً ایک فرلانگ کے بعد ایک چھوٹی سی مسجد میں ہم لوگوں کو پہنچایا گیا جو بہت پرانے طرز کی تھی۔ یہاں پر ایک مصری قاری بڑی خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ مصر میں جمعہ کی نماز سے پہلے تلاوت قرآن کا عام رواج ہے۔ تقریباً ایک بجے جمعہ کی پہلی اذان ہوئی جس کے بعد سنتوں کیلئے صرف پانچ منٹ کا وقفہ دیا گیا اور لوگ ابھی سنتوں میں مشغول تھے کہ دوسری اذان ہوگئی۔ شیخ الازہر ڈاکٹر سید طنطاوی نے عربی میں بیس منٹ خطبہ دیا جس میں اہل اسلام کو علم کے موضوع پر دعوتی انداز میں چند باتوں کی تلقین کی۔ ٹھیک ڈیڑھ بجے نماز ادا ہوئی۔ یہاں سے پھر ہم کو بسوں کے ذریعہ ہوٹل واپس پہنچایا گیا۔

کھانوں کی بھرمار : یکم جولائی کی رات ہی سے ہوٹل ماریٹ کے ایک مخصوص ہال میں معزز مہمانوں کے لئے کھانے کا شاندار انتظام تھا۔ ایک طرف انواع واقسام کے کھانے تھے اور دوسری طرف ٹیبل کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ مہمانوں کو آزادی تھی کہ وہ خالی پلیٹیں لے کر اپنی پسند کی غذا خود نکال کر کھائیں۔ چنانچہ روٹی (بن ٹائپ کی) اور چاول کے علاوہ کئی قسم کا گوشت، کئی قسم کی مچھلی، مرغ اور بے شمار کے کھٹ مٹھے مربے، چٹنیاں، مٹھائیاں اور پھل وغیرہ قرینے سے سجائے ہوئے تھے اور یہ تمام چیزیں کم وبیش سو قسم کی تھیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کونسی چیز منتخب کریں اور کونسی نہیں۔ اور ان چیزوں کے نام بھی ہمیں نہیں معلوم تھے۔ اکثر چیزوں کو زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا گیا۔ اس بنا پر اندازہ ہوا کہ مصر میں جو چیزیں کھائی جاتی ہیں وہ دنیا کے کسی ملک میں

شاید ہی کھائی جاتی ہوں گی اور پھر ہر دن نئے نئے ایٹم سامنے آتے تھے۔ بہرحال صرف چار چھ چیزیں منتخب کرنے ہی پر پلیٹ بھر جاتی تھی۔ تینوں وقت کا یہی حال تھا۔ لوگوں کو پانی کے بجائے ٹھنڈے مشروبات پیش کیے جارہے تھے اور پانی صرف طلب کرنے پر ہی ملتا تھا۔ صبح کے ناشتے میں چائے یا کافی بھی ہوتی تھی اور یہاں کا کپ ہندوستانی کپ کے مقابلے میں تقریباً دوگنا ہوتا تھا۔

دوپہر کا کھانا دریائے نیل میں : جمعہ کے دن یعنی ۳ جولائی کو بعد نماز جمعہ مصری وزیر اوقاف اور مجلس اعلیٰ برائے امور اسلامی کے صدر ڈاکٹر محمود حمدی زقزق کی جانب سے معزز مہمانوں کے اعزاز میں دوپہر کا کھانا دریائے نیل میں رواں دواں ایک بہت ہی شاندار اور ایرکنڈیشن کشتی کے اندر کھلایا گیا۔ یہ کشتی دومنزلہ اور سجی سجائی تھی جو بجائے کشتی کے کسی عمارت کے اندر واقع ایک بہت بڑا ہال معلوم ہورہی تھی اور یہ ہال تقریباً دوڈھائی سوفٹ لمبا اور پچاس ساٹھ فٹ چوڑا تھا۔ اس کے اندر ٹیبل اور کرسیاں سجی ہوئی تھیں اور مہمانوں کو تھوڑے سے انتظار کے بعد طرح طرح کے اور بعض بالکل نئے کھانے پیش کیے گئے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کانفرنس کے مہمانوں کے سامنے مصری کھانوں کی پریڈ کرائی جارہی ہے یا انواع واقسام کے کھانوں کا ان سے تعارف کرایا جارہا ہے تاکہ لوگ انہیں بہت دنوں تک یاد رکھیں۔ یہ اور بات ہے کہ کھانا کافی تاخیر سے کھلایا گیا۔

دریائے نیل کی سیر : دریائے نیل میں آج کے کھانے کی ایک انوکھی خصوصیت یہ تھی کہ جیسے ہی کھانا سپلائی ہوا ہمارے کشتی چل پڑی اور تقریباً آٹھ دس میل کا سفر آہستہ خرامی کے ساتھ طے کرانے کے بعد (تقریباً ایک گھنٹے میں) اپنے اصل مقام پر واپس آگئی۔ یعنی ماریٹ کے سامنے۔ اور اس دوران ہم کھانا کھاتے اور باہر کے دلفریب مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مگر ہمیں تعجب ہورہا تھا کہ ہماری کشتی کا اپنا رخ تبدیل کیے بغیر ایک ہی رخ پر چلتے ہوئے اسی مقام پر کیسے پہنچ گئی جہاں سے وہ چلی تھی ؟ بعد میں قاہرہ شہر کا نقشہ دیکھنے پر یہ راز کھلا کہ دریائے نیل دراصل دو شاخوں میں تقسیم ہے اور ان دونوں شاخوں کے درمیان کا علاقہ ایک جزیرے کی طرح ہے جو "زمالک" کے نام سے موسوم ہے۔ ہم نے دیکھا کہ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر بلند وبالا اور عالی شان عمارتیں کھڑی ہیں اور کئی مقامات پر اس جزیرے کو شہر کے دوسرے علاقے سے جوڑنے

والے عظیم الشان پل واقع ہیں، جن پر شہری ٹریفک گزرتی ہے اور کشتیاں پلوں کے نیچے سے ہو کر اپنا راستہ طے کرتے ہیں۔ یہ پورا منظر نہایت ہی حسین و جمیل لگ رہا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اتنا دلکش نظارہ دنیا کے بہت کم شہروں میں پایا جاتا ہوگا۔

مصر اور بنی اسرائیل : جیسا کہ عرض کیا گیا کشتی پر کھانا کافی تاخیر سے کھلایا گیا اور جب تک کھانا نہیں آیا ہم لوگ مصر اور دریائے نیل کی باتیں کرتے رہے۔ ہمارے ٹیبل پر ہندوستانی وفد کے دوسرے رکن ڈاکٹر طاہر محمود اور لندن کے مولانا ابو سالم عبد الرحیم کے علاوہ کچھ اجنبی لوگ تھے۔ ہم تینوں کے درمیان ادھر ادھر کے موضوعات پر گفتگو شروع ہوئی پھر مصر اور دریائے نیل کا ذکر چھڑ گیا۔ اس پر میں نے بتایا کہ قرآن حکیم کا مصر سے کیا تعلق ہے؟ چنانچہ اسکی نسبت خصوصیت کے ساتھ حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ سے ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کے بعد آپ کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ نو مولود بچے کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے (نیل) میں بہادیں، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ (قصص : ۷) کیونکہ فرعون نجومیوں کی ایک پیش گوئی کیوجہ سے بنی اسرائیل کے نو مولود لڑکوں کو قتل کرادیتا تھا۔ (بقرہ : ۴۹)

پھر اس کے بعد بحث چل پڑی کہ فرعون اور اس کا لشکر کہاں غرق کیا گیا تھا؟ تو میں نے بتایا کہ وہ مقام دریائے نیل نہیں بلکہ محققین کی صراحت کے مطابق بحر احمر تھا، جو دریائے نیل کی مشرقی سمت میں قاہرہ سے نوے میل کی دوری پر واقع ہے اور جس کو عبور کرنے کے بعد سینائی کا علاقہ ملتا ہے، جہاں پر کوہ طور واقع ہے۔ اسی مقام پر حضرت موسیٰؑ کو نبوت ملی تھی اور سینائی وہ علاقہ ہے جو مصر اور شام و فلسطین کے درمیان واقع ہے اور "وادی تیہہ" بھی اسی میں پڑتی ہے جہاں پر بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانی کی سزا کے طور پر چالیس سال تک بھٹکتے رہنا پڑا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے کی پوری تفصیلات قرآن حکیم میں مذکور ہیں جو دراصل ہمارے لئے درس عبرت کی حیثیت رکھتی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے واقعات کو عبرت و بصیرت کے طور پر بار بار دہرایا ہے تاکہ مسلمان خدائے تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی سے باز آئیں۔

ایک یادگار دن : بروز ہفتہ ۴ جولائی ۱۹۹۸ء میرے لئے ایک یادگار دن تھا، جس میں مجھے ایک

بین الاقوامی کانفرنس میں اپنا مقالہ سنانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی سعودی عرب، دلی اور پاکستان وغیرہ میں میرے متعدد لیکچرس اور علمی تقریریں ضرور ہو چکی ہیں، لیکن کسی بین الاقوامی کانفرنس میں باقاعدگی کے ساتھ اپنا مقالہ اور وہ بھی عربی میں پیش کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ میرے مقالے کا عنوان تھا "التقدم والتکنولوجیا ضرورۃ اکیدۃ من منظور اسلامی" یعنی اسلامی نقطہ نظر سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی نہایت ضروری ہے۔ اس مقالے کی تیاری کیلئے راقم سطور کو بہت زیادہ محنت کرنی پڑی تھی۔ چنانچہ میں نے اس میں سائنسی میدان میں ترقی پر ابھارنے والی قرآنی آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی اس میدان میں پیش رفت کا حال بیان کیا ہے اور پھر تجرباتی و صنعتی علوم کا تعلق انسانی زندگی سے دکھاتے ہوئے عصر جدید میں مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر سائنسی میدان میں پسماندگی کے باعث دینی ودنیوی دونوں حیثیتوں سے پڑنے والے اثرات و نقصانات کا جائزہ لیتے ہوئے اس میدان میں پیش قدمی پر زور دیا ہے۔ کیونکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے یہ اقدام بہت ضروری ہے۔ آخر میں عالم اسلام کے اتحاد کی دعوت دیتے ہوئے یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ عالم اسلام کو بڑی طاقتوں کے چنگل سے نکلنے کے لئے اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑے گا۔ اور اس کیلئے جدید صنعتوں اور خاص کر پٹرولیم کی صنعتوں (پیٹرو کمیکلس) کا قیام ضروری ہے تاکہ اس میدان میں بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کو ختم کیا جاسکے اور یہ کام عالم اسلام کے اتحاد کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ آج پٹرول اور پٹرولیم کی مصنوعات جدید صنعت واقتصادیات کی دنیا میں شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس وقت اسلامی ممالک دنیا کے دو تہائی پٹرولیم ذخائر کے مالک ہیں جن کو مغربی ممالک دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ بہر حال اس مقالے میں میں نے قرآن اور سائنس کے سلسلے میں اپنے چالیس سالہ مطالعہ کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے صنعتی و تجرباتی علوم کا تعلق قرآن حکیم سے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بحث دینی ودنیوی دونوں حیثیتوں سے نہایت درجہ اہم اور فکر انگیز ہے۔ انشاء اللہ اس مقالے کا اردو اور انگریزی ترجمہ عنقریب علمی دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ آج صبح اور شام کی نشستوں میں جرمن، یمن، مصر، متحدہ عرب

امارات، کویت، عراق، اردن، یوگنڈہ، سوئٹزرلینڈ، فلسطین، موزنبیق، برطانیہ، اسپین، کوسوا، الجزائر اور امریکہ کے نمائندوں نے حصہ لیا اور اپنے خیالات پیش کئے۔ ان سب کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئیے۔

میرے مقالے کی اہمیت : جیسا کہ تفصیل گزر چکی اس کانفرنس میں بحث ومباحثہ کے لئے چار بڑے موضوعات مقرر تھے، جن میں سے چوتھا موضوع "سائنسی ترقی کے میدان میں اسلام کا عالمی موقف" تھا۔ یعنی سائنسی میدان میں اسلام کی بین الاقوامی ہدایات کیا ہیں ؟ اور اس موضوع پر چار ذیلی عنوانات تھے۔ مگر پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں اس موضوع پر لکھنے والے صرف دو ہی نکلے : ایک راقم سطور اور دوسرے فلسطین کے ڈاکٹر احمد صدقی دجانی، جن کے مقالے کا عنوان تھا" **الاسلام والتقدم العلمی فی عصر العولمة** " یعنی اسلام اور سائنسی ترقی عالمیت کے دور میں۔ مگر ثانی الذکر کانفرنس میں حاضر نہیں تھے۔ اس لئے اس موضوع پر کانفرنس میں پیش کیا جانے والا میرا واحد مقالہ تھا اور پھر کانفرنس کے منتظمین نے مواد کے لحاظ سے میرے مقالے کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے اسے اول نمبر پر شائع کیا تھا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ بہر حال بندہ اپنی اس کامیابی پر شاداں وفرحاں رہا کہ جو کچھ بھی ہوا وہ محض توفیق ایزدی کے باعث ہوا۔ (جاری ہے)

بقیہ صفحہ ۳۲ سے

چند پابندیوں کو اختلاف کا جواز نہ بنائیں نہ بنیادی انسانی حقوق کے خوش کن نعروں میں ان کے لئے راہ نجات تلاش کریں اور نہ یہ نعرہ بلند کرنے والے ان ملکوں کی ہاں میں ہاں ملائیں جن کا بنیادی حقوق کا اپنا ریکارڈ کچھ زیادہ مثالی نہیں۔ بنیادی انسانی حقوق کے دلفریب نعروں نے مغرب کی اپنی خاندانی زندگی تہہ وبالا کر کے رکھ دی ہے۔

طالبان اس وقت انقلابی تبدیلیوں کے عبوری دور سے گزر رہے ہیں۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اور نیک وبد کا شدید احساس رکھتے ہیں۔ انہیں سنبھلنے کا وقت دیجئے مابعد انقلاب ملک آلام ومصائب کے جن دریاؤں سے گزرتے ہیں اس کو عبور کرنے میں سالوں لگ جاتے ہیں۔ اس میں ان کی مدد کریں۔ یہ ہماری اپنی بقا کے لئے بھی ضروری ہے۔

(آبادی کے اعداد وشمار کیلئے لفٹیننٹ جنرل کمال متین الدین کی انگریزی کتاب "ہندوکش میں اقتدار کی کش مکش" (افغانستان ۱۹۹۱-۱۹۷۸ء) صفحہ ۶ اور ۷ سے استفادہ کیا گیا)۔